© rasailojaraid.com

سے کھڑے ہو جائیں گے ہم ان کے ساتھ کسی بھی شئ میں مشابہت اور لباس میں تشبہ نہ کریں گے۔ ٹوپی ہو یا عمامہ، جوتے ہوں یا سر کی مانگ، ہم ان کا سا کلام نہ کریں گے ہم ان کی سی کنیتیں نہ رکھیں گے، ہم زین پر گھوڑے کی سواری نہ کریں گے، تلوار نہ لٹکائیں گے، کوئی ہتھیار نہ رکھیں گے، ہم اپنی مہروں کے نقش عربی میں کندہ نہ کرائیں گے، شراب کی تجارت نہ کریں گے ہم طرہ (سر کے اگلے حصہ کے وہ بال جو بطور فخر و زینت رکھے جاتے ہیں) کٹوا دیں گے، ہم جہاں بھی رہیں گے اپنی ہی وضع پر رہیں گے، ہم اپنی کمروں پر زنار باندھیں گے، گرجوں پر صلیب کو بلند نہ کریں گے مسلمانوں کے راستوں اور بازاروں میں اپنی کتابوں اور صلیب کو ظاہر نہ کریں گے، ہم اپنے گرجوں میں ناقوس نہایت ہلکی آواز سے بجائیں گے۔ مسلمانوں کی سڑکوں پر ہم اپنے مُردوں کے ساتھ آگ نہ لے جائیں گے۔ (یہ دفعہ مجوس کے متعلق ہے)

اس معاہدہ پر تبصرہ کرتے ہوئے قاری طیب صاحبؒ لکھتے ہیں:

اُس فرمان فاروقی سے جو اصول ہمارے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ دو قوموں میں باعتبار مذہب و معاشرت کھلا امتیاز ہونا چاہیئے تاکہ ہر قوم کے حق و باطل کو اس کی اصل صورت میں پرکھا جا سکے اور ہر دو کے اصول و فصول دائرہ التباس و اختلاط میں مدغم نہ رہیں جیسا کہ مذہبیات کے دائرہ میں عبادات اور شعائر مذہب میں جیسے صلیب بلند کرنا عیسائی نماز، دعا، استسقاء مجوس کا آگ نکالنا وغیرہ ان سب میں امتیاز و تفریق پیدا کر دی گئی اور ادھر معاشرت کے سلسلہ میں لباس، نام، کنیت۔ سواری، سر کے بال، کلام و تکلم وغیرہ میں تفریق و تمیز دے دی گئی پھر اسی طرح فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عام بلاد اسلامیہ میں ایک فرمان کے ذریعہ یہ حکم بھی جاری کیا تھا:

ولا یلبسوا لبس المسلمین حتی یعرفوا۔

کفار مسلمانوں کے لباس نہ پہنیں تاکہ وہ ان سے الگ پہچانے جا سکیں۔

گویا قوموں کی باہمی معرفت و تمیز اسلام کا اہم مقصد تھا جس پر اسکے ابتدائی قرون میں کافی زور دیا جاتا تھا، اور یہ محض اسی لیے کہ ہر قوم اپنی قومیت پر باقی رہے اور اپنے ہی نام سے پکاری جا سکے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس طرح ہر قوم کی حق یا باطل خصوصیات جدا جدا دیکھی جا سکیں۔ گویا جس طرح مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ کفار سے ظاہراً و باطناً مشابہت اختیار نہ کریں تاکہ اسلامی اوضاع و اطوار ملتبس ہو کر مٹنے نہ پائیں اسی طرح حکومتِ اسلامی کفار کو بھی مجبور کرے گی کہ وہ کفر پر رہتے ہوئے مسلمانوں کا سا لباس نہ پہنیں تاکہ یہ کافرانہ ظلمت اپنی آمیزش سے اسلامی نور کو مکدر نہ بنا سکے۔ ان مذکورہ فرامین فاروقی سے جہاں منع تشبہ کے متعلق ایک پائیدار روشنی دستیاب ہوتی ہے وہیں نمایاں طور پر یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا مقصد اپنی شوکت کو قائم کرنے کے ساتھ ساتھ کفر کی شوکت و عزت کو پامال کرنا بھی ہے کیونکہ اس کے نزدیک عزت و شوکت صرف اور صرف حق اور اہل حق کے لیے ہے[1]

---

[1] التشبہ فی الاسلام ص ۸۸ و ۸۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"لفظِ محصنات" اور "فاحشۃ" کی تحقیق

جناب ریاض الحسن نوری صاحب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ امابعد :

متجددین کے مختلف گروہ ہیں۔ کچھ تو ماہرین حدیث بن کر لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ صحیح بخاری میں شراحۃ الہمدانیہ کے متعلق کوڑوں اور رجم دونوں کو جمع کرنے کا ذکر ہے۔ حالانکہ دونوں کو جمع کرنے کا ذکر بخاری میں نہیں ہے۔ ہم نے تلاش کے بعد یہی نتیجہ نکالا ہے۔ زیلعی نے بھی یہی لکھا ہے۔

پھر یہ لوگ متواتر روایات کو بھی احاد کہہ دیتے ہیں اور مشہور روایات کو بھی خبر واحد کہ دیتے ہیں جو خود ان کی اپنی تسلیم کردہ تعریفات کے خلاف ہوتا ہے۔ امام بخاری اور امام احمد سے قبل کے مطبوعہ نسخے بھی ان کی نظر سے نہیں گزرے یہ ان کے علم حدیث کا حال ہے اسی وجہ سے یہ جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں کہ احادیث ڈھائی سو سال بعد لکھی گئیں۔ ان کے علم حدیث کا یہ حال ہے کہ ایک محقق صاحب حضرت عبادہ بن صامتؓ کی حدیث کے متعلق جو واقعی خبر واحد ہے لکھتے ہیں : عبادہ بن صامت کی یہی روایت ہے جس کے بل پر سورہ نور کو منسوخ ٹھیرایا گیا۔

اس میں چالاکی یہ کی ہے کہ خبر واحد کا ذکر کیا اور دیگر جو متواتر احادیث ہیں غامدیہ قول حدیث اور حضرت ماعزؓ کا واقعہ و دیگر واقعات ہیں ان کا ذکر نہیں کیا تاکہ ناظرین دیکھیں کہ واقعی بس رجم کو فرض سمجھنے والوں کی بنیاد میں یہی ایک خبر واحد ہے۔ ہم نے اسی وجہ سے اس حدیث سے استدلال نہیں کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح سے عوام کو بیوقوف بنانے کے لیے یہ اپنے کو لغت کے سب سے بڑے ماہر کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ جیسے کہ نعوذ باللہ رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام۔ ان کے صحابہ، تابعین، تبع تابعین ائمہ کرام اور تمام مفسرین کرام سب لغت سے نابلد تھے۔ یا پھر جو لغت کے ماہر تھے انھوں نے کبھی قرآن کریم کو پڑھنے کی تکلیف ہی گوارہ نہیں کی۔ حالانکہ تمام ماہرین لغت اور ادیب قرآن کریم ضرور پڑھتے ہیں۔ چاہے وہ عیسائی ہی کیوں نہ ہوں۔

محصنات کے معنی یوں بیان کیے جاتے ہیں۔

۱۔ شادی شدہ عورتیں۔

۲۔ پاک دامن عورتیں۔

۳۔ آزاد کنواری عورتیں۔

بعض متجددین اوپر بیان کردہ پہلے دو معنی سے تو متفق ہیں مگر تیسرے معنی سے وہ متفق نہیں ہیں۔ ان کے خیال میں اس معنی کی تائید میں لغت یا کلام عرب سے کوئی دلیل نہیں پیش کی جا سکتی۔ کیونکہ انکے خیال میں محض آزاد کنواری عورتیں کوئی معنی نہیں ہیں۔

راقم الحروف کو ماہر لغت ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں ہے۔ مگر اس بات کا دعویٰ ضرور ہے کہ پچھلے چودہ سو سال سے ماہر لغت اور ادیب قرآن کریم پڑھتے رہے ہیں اور قرآن کی لغت پر بحث کرتے رہے ہیں۔ اس لیے ہم ان ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی احادیث اور فعلی احادیث اور خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کے الفاظ ہم قبل ازیں نقل کر چکے ہیں[1] اس لیے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ یہاں صرف لغوی گفتگو کریں گے۔ ویسے بھی ان لوگوں کے نزدیک متواتر اور مشہور احادیث کی کوئی وقعت ہی نہیں چاہے اسے بیس یا تیس اصحاب رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کیوں نہ روایت کریں۔

سب سے پہلے ہم لسان العرب کو ہی لیتے ہیں۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ لغت میں بنیادی معنیٰ سب سے پہلے دیے جاتے ہیں۔ پس لسان العرب میں "حَصُنَ" کا معنی یوں شروع ہوتے ہیں۔

حصن: حَصُنَ المکان یحصن حصانۃً فھو حصین: منع، واحصنہ صاحبہ۔ والحصن: کل موضع حصین لا یوصل الی

---

[1] یہ مضمون منہاج اکتوبر ۱۹۹۳ء میں ملاحظہ فرمائیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مافی جوفه .....

یعنی حصن کے بنیادی معنیٰ "منع" یعنی روکنے کے ہیں ۔ پھر ہر وہ جگہ جس کے اندر تک جایا نہ جاسکے وہ حصین کہلاتی ہے ۔

پھر اگلے صفحہ پر ہے

واصل الاحصان المنع ۔

یعنی احصان کے اصلی معنی منع کے ہیں ۔

المصباح المنیر میں معنی یوں شروع ہوتے ہیں

الحصن : المکان الذی لایقدر علیه لارتفاعه ۔

یعنی وہ مقام جس کی بلندی کی وجہ سے کوئی بھی وہاں نہ پہنچ سکے اب جیسے ماونٹ ایورسٹ کی چوٹی جس کی بلندی کی وجہ سے وہاں کوئی نہ پہنچ سکا ۔ اب زمانہ حال میں یہ چوٹی سر ہوئی ہے ۔

پس کیونکہ کنواری (شریف) عورت کسی مرد کو بھی اپنے جسم کے قریب نہیں آنے دیتی بلکہ عورتوں سے بھی شرماتی ہے ۔ اس لیے اس کے بنیادی معنیٰ ہی کنواری شریف عورت کے ہوئے ۔ (منع) کے لفظ میں خاوند یا غیر خاوند کی تفریق نہیں ہے ۔ پس جو عورت سب لوگوں کو اپنے جسم تک آنے سے منع کرتی یا روکتی ہو وہ محصنہ ہے ۔ یا یوں کہ لیجیے کہ جس نے اب تک ہر مرد کو اپنے قریب آنے سے منع کر رکھا ہو وہ عورت محصنہ ہے اس کا سب سے بڑا ثبوت خود قرآن میں ہے ۔

قرآن کریم جب حضرت مریم علیہا الصلاۃ والسلام کے متعلق کہتا ہے کہ : التی احصنت فرجها ۔

تو اس سے مراد یہی ہے کہ انہوں نے اب تک اپنے آپ کو ہر مرد سے دور رکھا جس میں جائز خاوند بھی شامل ہے یعنی حضرت مریم کنواری تھیں ۔

پس محصنہ کے معنی کنواری ہونے کا سب سے بڑا ثبوت تو قرآن میں موجود ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمام اہل سنت و اہل تشیع۔ اور معتزلہ اور خوارج سب کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت مریم کنواری تھیں۔ چودہ سو سال سے مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کنواری تھیں۔ بلکہ اس پر عیسائیوں کا بھی ایمان ہے۔ سوائے زمانہ حال کے ایک صاحب کے جن کو سورتی صاحب نے "ابن مریم اور پرویز" نامی کتاب میں منہ توڑ جواب دیا ہے۔ فلیراجع۔

قرآن کے مطابق جو لوگ حضرت مریم علیہا السلام کو کنواری قرار دیتے ہیں ان میں تمام ماہرین لغت بشمول عیسائی سب ہی ہیں۔ پس اس میں کوئی شبہ نہ رہا کہ لغت اور قرآن کے مطابق حصن کے معنی منع کے ہیں اور محصنہ کے معنی اس عورت کے بھی ہیں جو جائز ناجائز ہر طریقہ سے مرد سے دور رہی ہو یعنی کنواری اور شریف ہو۔ اب لسان العرب کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

وحصنت المرأة نفسها وتحصنت وأحصنها واحصنت نفسها۔ فی التنزیل العزیز: والتی احصنت فرجھا۔

یعنی وہ عورت جس نے اپنے جسم کو ہر طرح سے (نکاح یا بغیر نکاح) مرد سے محفوظ رکھا ہو۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: وہ عورت جس نے اپنے جسم سے ہر شخص کو منع کر دیا ہو۔ (اس میں خاوند یا غیر خاوند کی تفریق نہیں ہے) بہر حال صاحب لسان بھی تمام امت کی طرح اسی بات کے قائل ہیں کہ حضرت مریم کے کنواری رہنے ہی کا ذکر قرآن میں بیان ہو رہا ہے۔ یعنی انہوں نے شادی سے بھی پرہیز کیا تھا۔ اس کی تائید ان کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو کہ خود قرآن میں موجود ہے:

قالت رب انی یکون لی ولد ولم یمسسنی بشر (آل عمران: ۴۷)

یعنی میرے بچہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا ہی نہیں۔

پھر کہا: یالیتنی مت قبل ھذا۔ (مریم: ۲۳)

یعنی اس سے پہلے میں مرگئی ہوتی اور نابود ہو گئی ہوتی۔

پس ثابت ہو گیا کہ 'محصنات' کا ایک معنی کنواری کے بھی ہیں۔ جو قرآن اور لغت دونوں سے ثابت ہے۔ پھر قرآن میں مریمؑ پر بہتان کا ذکر بھی یہی ثابت کرتا ہے۔

محصنات کا معنی وہ عورت بھی ہے جس کو کسی بھی بشر نے چھوا تک نہ ہو اس کے لیے قرآن میں یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیت "وقولهم علی مریم بهتانا عظیما" بھی بین ثبوت ہے۔
امام راغب جو بہر حال ادیب اور ماہر لغت ہیں وہ "محصن" کے ذیل میں المفردات میں فرماتے ہیں۔

ویقال حصان للعفیفة ولذات حرمة وقال تعالیٰ: (ومریم ابنة عمران التی أحصنت فرجها)

یعنی حصان کا مطلب عفیفہ بھی ہے اور وہ بھی جس نے کسی کو بھی قریب نہ آنے دیا ہو۔ (جائز یا ناجائز دونوں طریقوں سے پرہیز کیا ہو)۔
اللہ تعالےٰ قرآن میں فرماتے ہیں:

ومریم ابنة عمران التی أحصنت فرجها۔

یعنی مریم عمران کی بیٹی جس نے بالکل کنوارہ رہنا اختیار کیا تھا یعنی کسی بھی بشر کو اجازت نہ دی کہ اسے چھوئے۔
ہم سمجھتے ہیں کہ قرآن ولغت کے اس واضح ثبوت کے بعد کسی مزید لمبی بحث کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ لیکن پھر بھی ہم امام عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ جن کو فقیہ الادبا اور ادیب الفقہاء کہا جاتا ہے آپکا کلام خوارج کے فرقوں میں سے محصن کے متعلق ایک فرقہ کی طرف منسوب اعتراض کے جواب میں درج کرتے ہیں۔ وہ خوارج کے اس فرقہ کی طرف منسوب اعتراض نقل کرکے جواب دیتے ہیں۔

قالوا: رویتم أن رسول الله صلی الله علیه وسلم، رجم، ورجمت الائمة بعده، والله تعالیٰ یقول فی الإماء (فَإِن أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ)۔

والرجم اتلاف للنفس، لایتبعض، فکیف یکون علی الإماء نصفه؟ وذهبوا الی ان المحصنات ذوات الأزواج۔

قالوا: وفی هذا، دلیل علی أن المحصنة، حدها، الجلد۔

قال ابو محمدؒ: ونحن نقول: ان المحصنات لوکن فی هذا الموضع ذوات الأزواج، لکان ما ذهبوا إلیه صحیحا، ولزمنا به

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

هذه الجهة ۔ وليس المحصنات، ههنا، الا لحرائر ۔
وسمين حصنات، وان كن أبكارًا، لأنّ الاحصان يكون لهن وبهن
ولا يكون بالإماء ۔
فكأنه قال " فعليهن نصف ما على الحرائر من العذاب يعنى
الابكار وقد تسمى العرب البقرة " المثيرة " وهى لم تثر من
الارض شيئا لان اثارة الارض تكون بها دون غيرها من
الانعام وتسمى الإبل فى مراعيها " هَدْيًا " لأن الهدى إلى
الكعبة يكون منها، فتسمى بهذا الاسم، وإن لم تُهد ۔
ومما يشهد لهذا التاويل الذى تأولناه فى المحصنات، وأنهن
فى هذا الموضع ۔ الحرائر الابكار، قوله تعالى فى موضع آخر
(وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ
فَمِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ) والمحصنات ۔ ههنا ۔ الحرائر ولا يجوز
أن يكن ذوات الازواج لان ذوات الأزواج لا ينكحن ۔

یعنی وہ کہتے ہیں کہ تم روایت کرتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور بعد کے ائمہ نے رجم کیا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر لونڈیاں زنا کریں تو ان کی سزا اس کے نصف ہو گی جو محصنات کی مقرر ہے ۔ اور رجم تو جان کو ہلاک کرنا ہے اس کے حصے نہیں ہو سکتے تو لونڈیوں کے لیے ان کا نصف کیسے ہو گا ۔ اور ان کے نزدیک یہاں محصنات سے مراد خاوند والی عورتیں ہیں ۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ محصنہ کی حد کوڑے ہیں ۔ ابن قتیبہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہمارا کہنا ہے کہ یہاں محصنات کا مطلب خاوند والی عورتیں ہوتا تو ان کی بات درست تھی ۔ لیکن یہاں تو مطلب محض آزاد عورتیں ہیں (بغیر خاوند والی)
ان کو محصنات کہا گیا ہے اگرچہ وہ کنواری ہیں کیونکہ احصان (صحیح معنوں میں) انہی کو حاصل ہوتا ہے اور لونڈیوں کو صحیح معنوں میں مکمل احصان تو حاصل نہیں ہوتا ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گویا کہ یہ کہا گیا ہے کہ ان پر آزاد کنواری عورتوں کی سزا کا نصف ہوگا[لہ] پھر عربی لغت سے استشہاد پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

اور عرب لوگ گائے کو "مشیرہ" کہتے ہیں چاہے اس نے کبھی بھی ہل نہ چلایا ہو۔ کیونکہ اور تمام جانوروں یعنی انعام میں سے کسی سے ہل نہیں چلایا جاتا صرف گائے بیل سے چلایا جاتا ہے اس لیے اس گائے بیل کو جس نے کبھی ہل نہ چلایا ہو المثیرہ کہہ دیتے ہیں۔

اسی طرح وہ اونٹ جو چراگاہ میں چر رہے ہوں ان کو بھی 'ہدی' کہہ دیا جاتا ہے کیونکہ اونٹوں کو ہدی کے طور سے کعبہ بھیجا جاتا ہے۔ پس جو اونٹ ہدی کے طور سے نہ بھی جا رہے ہوں ان کو بھی عرب اس نام سے پکارتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ اس مقام پر محصنات سے مطلب آزاد کنواری عورتیں ہیں۔

مزید قرآن میں ایک دوسرا مقام پر بھی محصنات کے بنیادی معنی کنواری ہی ہیں۔ وہ مقام یہ ہے: من لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحصنات الی آخرہ : کہ جو لوگ آزاد اور کنواری مومنہ عورتوں سے شادی کے متحمل نہیں ہو سکتے تو وہ مومنہ لونڈیوں سے نکاح کرلیں۔

یہاں کسی طور بھی شادی شدہ عورتوں کے معنی نہیں لیے جا سکتے کیونکہ ان کی شادی نہیں ہو سکتی۔ ہم کہتے ہیں۔ یہاں نوجوانوں کی شادی کا ذکر ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ نوجوان لوگ بیوہ یا مطلقہ کو عام طور سے پسند نہیں کرتے۔ ویسے بھی نوجوان کنواروں کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ کنواری عورتوں سے شادی کریں بہت سے نوجوان کنوارے ایسے ہوں گے جو زیادہ عمر کی بیوہ یا مطلقہ سے شادی کرنے کی نسبت

لہ اب دیکھیے کہ نماز میں قصر قرآنی حکم ہے۔ لیکن فجر اور مغرب کے فرائض کا نصف نہیں کیا جاتا کیونکہ ان کا نصف نہیں ہو سکتا۔ یہ معمولی سمجھ کی بات ہے کہ نصف وہاں ہی کیا جاتا اور اسی چیز کا کیا جاتا ہے جہاں نصف ممکن ہو۔

مزید اصل بات یہ کہ قرآن میں اس خاص جگہ "المحصنات" کا لفظ "شادی شدہ عورتوں کے معنی میں استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ اس سے مراد (غیر شادی شدہ) عورتیں ہیں گویا سزائے رجم کا نصف نہ ہو سکنا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہاں "المحصنات" کا لفظ آزاد کنواری عورتوں کیلیے استعمال ہوا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کنواری لونڈیوں کو ترجیح دیں گے۔ بہرحال یہ تو طے ہے کہ مذکورہ بالا مقام سے محصنات کے معنی میں شادی شدہ (خاوند والی) عورتیں بہرحال خارج ہیں اور رجم خاوند والی کو کیا جاتا ہے ایسی عورت ہر صورت میں مندرجہ بالا محصنات کے معنی سے خارج ہے۔ پس اوپر والی آیت میں محصنات کے معنی محدود ہیں۔ دوسرے بالکل کنواری عورتیں مذکورہ بالا بیان میں اولین طور پر مقصود ہیں کیونکہ نوجوان ان کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے لیے حدیث میں بھی کنواری کی ترجیح آئی ہے۔ بیوہ سے وہ شادی کریں جن کی اپنی بیوی مر چکی ہو۔

جو لوگ مذکورہ بالا دلیل سے پورے طرح مطمئن نہ ہوں ان کے لیے ہماری پہلی دلیل ہی کافی اور شافی ہے۔ یہ محض اضافی دلیل ہے۔ اس لیے ہم نے اس کو بیان کر دیا ہے۔ مزید اس لیے بھی بیان کر دیا ہے کہ شادی شدہ عورتیں ہر حال اس سے خارج اور کنواری آزاد عورتیں ہر حال اس میں شامل ہیں۔ رہیں بیوہ[1] یا مطلقہ تو ان کا تو نمبر ترجیح میں بھی بعد میں آتا ہے کیونکہ شادی بہرحال بیواؤں سے پہلے کنواریوں کا حق ہے۔ بہرحال یہاں کنواریوں کو ہر حال میں ترجیح حاصل ہے پس جو لوگ اس کے معنی کنواری عورتیں کرتے ہیں تو وہ عام اور اکثریت اور ترجیح کی بات کرتے ہیں۔ وہ بنیادی اور اولین انصاف کی بات کرتے ہیں۔

عرب میں اس دور میں بہت سے لوگ غیرت کی وجہ سے صرف کنواریوں ہی سے شادی کرتے تھے اس کی ایک مثال سعد بن عبادہ ہیں۔

ابن العربی لکھتے ہیں:

روی ابن عباس أنه قال: لما نزلت هذه الآية: (والذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدًا) قال سعد بن عبادة: اهكذا نزلت يا رسول الله؟ لو اتيت لكاع وقد تفخذها

---

[1] بیوہ اگر بچوں والی ہے تو حدیث سے ثابت ہے اس کے لیے دوسری شادی کرنے کی نسبت غیر شادی شدہ رہ کر بچوں کا پالنا زیادہ مستحب ہے۔ ایسی عورت کو حضورؐ نے جنت میں اپنے سے پہلے دیکھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رجل لم يكن لی ان اهیجه وأخرجه حتی اٰتی باربعة شهداء!
فوالله ما کنت لآتی بأربعة شهداء حتی یفرغ من حاجته.
فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: یا معشر الانصار اما
تسمعون ما یقول سیدکم؟ قالوا: لا تلمه فانه رجل غیور،
ما تزوج فینا قط الا عذراء، ولا طلق امرأة (قط) فاجترا
رجل أن یتزوجها.... (احکام القرآن لابن العربی ج ۳ ص ۱۳۲۸)

یعنی جب یہ آیت اتری کہ جو لوگ محصنات پہ زنا کا الزام لگائیں اور پھر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت پھر کبھی قبول نہ کرو الی آخرہ تو حضرت سعد نے اس پہ جو کچھ کہا تو ان کی بات سن کر رسول اللہ تعالیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اسے انصار تم سنتے ہو کہ تمہارے سردار کیا کہہ رہے ہیں۔ اس پہ انصار بولے کہ آپ ان کو اس بات پہ ملامت نہ کریں۔ یہ بہت غیور آدمی ہیں۔ شادی کنواری کے علاوہ کسی سے نہیں کرتے۔ اگر کسی کو طلاق دیتے ہیں تو ہمارے قبیلہ میں سے کسی کی جرأت نہیں ہوتی کہ اس مطلقہ سے شادی کرے۔

ویسے بھی جہاں قرآن میں عورتوں کی شادی کا حکم آیا ہے تو ظاہر ہے کہ پہلا حق کنواریوں کا ہوگا۔ یہ انصاف نہ ہوگا کہ کنواریاں تو بیٹھی رہیں اور کنوارے نوجوانوں کو بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کے سر مڑھتے رہیں۔

اور اگر کسی کا یہ خیال ہے کہ یہاں غریب کنوارے نوجوانوں کا ذکر ہے تو ان کی شادی بیواؤں اور مطلقہ عورتوں سے کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ تو یہ بات بالکل غیر اسلامی ذہن رکھنے والا ہی کر سکتا ہے جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے ایمان اور اسلام سے جاہل ہو۔ ذیل میں ہم اپنی تائید میں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ وبرکاتہ نے احیاء العلوم میں بیان کیا ہے۔
مختصراً واقعہ یوں ہے:

ایک بہت ہی غریب مگر نیک شخص حضرت سعید بن المسیبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ ایک دن وہ کافی دنوں کے بعد آیا تو معلوم ہوا کہ غیر حاضر رہنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کی بیوی مرگئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس پر حضرت سعیدؒ نے پوچھا کہ تم دوسری شادی کیوں نہیں کرتے۔ اس نے کہا مجھ جیسے غریب کو اپنی لڑکی کون دے گا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ میں دیتا ہوں۔ یہ کہ کر اسی وقت اپنی بیٹی کا نکاح پڑھا دیا[له]۔ پھر وہ شخص نکاح کے بعد اپنے گھر چلا گیا۔

آپ نے اسی رات اپنی لڑکی کو خود ساتھ لے جا کر اس کے گھر پہنچا دیا۔ جب دروازہ کھٹکھٹایا تو اس شخص نے پوچھا کون ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ سعید تو اس کے سمجھ میں نہ آیا کیونکہ آپ سالہا سال سے سوائے مسجد نبوی کے گھر سے باہر کہیں نہیں گئے تھے۔ غرضکہ دروازہ کھولا تو لڑکی اندر داخل ہوئی اور شرم سے گر پڑی۔ پھر آپ نے کہا مجھے اچھا نہ معلوم ہوا کہ نکاح کے بعد اکیلے رات گذارو۔ اس کے بعد اس شخص کی والدہ نے محلہ کی عورتوں کو اکٹھا کیا اور منکوحہ کی خبر گیری شروع کی۔

یاد رہے کہ یہ وہ لڑکی تھی جس کو خلیفہ نے اپنے بیٹے کے لیے مانگا تھا مگر انہوں نے انکار کر دیا تھا۔ اب ایسے غریب مگر صالح شخص کو بغیر پیغام کے بیاہ دی۔

سچ بات تو یہ ہے کہ شادی سب سے پہلے کنواریوں کا حق ہے اور جب مرد بھی کنوارہ ہو جیسا کہ آیت زیر بحث میں ذکر ہماری اکثریت میں کنواروں ہی کا ہے تو ان کی شادی تو ضرور ہی کنواریوں سے ہی ہونی چاہیے اور عملی دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

حدیث سے تو ان لوگوں کو چڑ ہے مگر اس سلسلے میں ہم حدیث بیان کرتے ہیں مگر محدث کی کتاب سے نہیں بلکہ مشہور لغوی و نحوی اور آزاد خیال معتزلی یعنی زمخشری کی کتاب سے۔ اس حدیث میں تو تمام مردوں کو چاہیے وہ خود کنوارے نہ بھی ہوں شادی کنواری عورتوں سے کرنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ اور اس کے فائدے یہ ہیں ان کو اپنے طریق پر ڈھالنا بھی آسان ہوتا ہے۔ ان کی زبان میٹھی ہوتی ہے۔ اخلاق اچھا ہوتا ہے۔ اولاد جلد ہوتی ہے۔

زمخشری لکھتے ہیں:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ علیکم بالأبکار، فانھن اعذب

له یاد رہے کہ ان کی یہ بیٹی کنواری تھیں لیکن انہوں نے اس کی شادی ایک ایسے غریب اور صالح شخص سے کر دی جس کی بیوی مر چکی تھی۔ جہاں بھی شادی کا مسئلہ ہو گا کنواری کا حق ہر حال میں فائق ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

افواھا، وانتق ارحاماً وارضی بالیسیر۔

وروی: فانھن افتح أرحاماً وأعذب افواھا وأغرّ غُـرّة

وروی: فانھن أعنو اخلاقاً وارضی بالیسیر۔

(الفائق ج ۳ ص ۴۰۴)

غرضیکہ مذکورہ بالا آیت میں اصل مراد کنواری عورتیں ہی ہیں کیونکہ شادی کا حق پہلا ان کا ہی ہوتا ہے۔ بیوہ یا مطلقہ تو بطور استثنا کے ہوں گی۔ انگریزی کا مقولہ مشہور ہے۔

EXCEPTION PROVES THE RULE

یعنی استثنا تو اصول کو مزید ثابت کرتا ہے۔

پس بنیادی اور اصولی طور پر یہاں کنواری عورتیں مراد ہیں اور جو کوئی استثنا ہو بھی تو وہ اصول کو ثابت ہی کرتی ہے جیسا کہ انگریزی مقولہ میں کہا گیا ہے۔

اب ہم آیت زیر بحث کو لیتے ہیں:

فاذا احصنّ فان أتین بفاحشة فعلیھن نصف ما علی المحصنت من العذاب۔

یعنی جب وہ حصار نکاح میں محفوظ ہو جائیں اور اس کے بعد کسی بدچلنی کی مرتکب ہوں تو ان پر اس سزا کی نسبت آدھی سزا ہے جو آزاد کنواریوں (محصنات) کیلیے مقرر ہے۔

اب دیکھئے کہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن میں ایک جگہ جو محصنات کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں سے بہرحال شادی شدہ عورتیں خارج ہیں کیونکہ ان سے شادی کی ہی نہیں جا سکتی[1] پس یہاں سے بھی شادی شدہ عورتیں بہرحال خارج ہیں اور ایسا کرنا قرآن اور لغت کے معنی سے درست ہے پھر دیکھیے کہ شادی شدہ آزاد عورت کو ایک تو خاندان کی اور دوسرے خاوند کی یعنی دو بہت مضبوط حفاظتیں حاصل ہوتی ہیں۔ لیکن آزاد کنواری کو صرف ایک یعنی خاندان کی حفاظت حاصل ہوتی ہے۔

---

[1] اور دوسری جگہ یعنی حضرت مریم کے ذکر میں جو "حصن" کا لفظ آیا تو اس کا بھی مطلب یہی ہے کہ وہ کنواری تھیں۔ اس پر خود حضرت مریم کے الفاظ دال ہیں۔ اور قرآن بھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر دیکھیے کہ لونڈی کو نکاح سے پہلے کوئی خاندانی حفاظت حاصل نہیں ہوتی اور نکاح کے بعد خاوند کی حفاظت حاصل ہوتی ہے لیکن وہ بھی ادھوری ہوتی ہے کیونکہ شوہر کی حفاظت بن آنے کے بعد بھی وہ ان لوگوں کی غلامی سے آزاد نہیں ہوتی جن کی ملکیت میں وہ ہوتی ہے اور نہ اسے معاشرہ میں وہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے جو آزاد عورت کو ہوتا ہے۔ جن کی ملکیت میں وہ ہوتی ہے اس کو دن بھر وہ اپنے کاموں سے جہاں چاہیں بھیجیں اور جو کام چاہیں اس کے سپرد کریں۔ اس کو شادی کے بعد بھی باہر آنے جانے اور لوگوں سے لین دین کرنا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے خاوند کو اس پہ اختیار بھی محدود ہوتا ہے۔ پس شادی کے بعد بھی لونڈی کو جو حفاظت حاصل ہوتی ہے وہ ادھوری سے بھی کم ہوتی ہے۔ اس لیے جب اس کی سزا نصف کی جا رہی ہے تو کنواری شریف زادی ہی کی سزا کا نصف ہو سکتی ہے جس کو کہ صرف اکیلی یعنی صرف خاندان کی حفاظت حاصل ہوتی ہے نہ کہ شادی شدہ آزاد عورت کی سزا کا نصف جس کو کہ خاندان اور خاوند دو مضبوط ترین حفاظتیں حاصل ہوتی ہیں۔ یہ حساب کا عام سا مسئلہ ہے نہ معلوم ان لوگوں کی سمجھ میں کیونکر نہیں آتا۔

پھر دیکھیے کہ جب ارحم الراحمین لونڈیوں کی کمزور ضعیف اور مجبور مخلوق پر سزا کے معاملے میں تخفیف فرما رہا ہے تو یہ کسی طرح بھی رحمٰن کی ذات سے امید نہیں کہ وہ جب نصف کرے۔ جب رعایت ہی دی جا رہی تو ظاہر ہے کہ اس کی شان رحیمی کے مطابق یہی ہے کہ وہ ملکی سزا جو صرف ایک حفاظت رکھنے والی کنواری آزاد عورت کے لیے مقرر ہے اس کا ہی نصف مقرر کرے نہ دوہری حفاظت رکھنے والی کا نصف کرے۔ حساب سے بھی یہی ثابت ہے۔ پس ثابت ہوا کہ لونڈی کی سزا کنواری آزاد عورت کی سزا کا نصف ہی انصاف کا تقاضا ہے۔ پس ان متجددین کا اعتراض غلط ہے۔

یہ اعتراض کہ رجم کا دوگنا نہیں کیا جا سکتا

ایک یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ رجم کا دوگنا نہیں ہو سکتا۔ رجم سے انکار کی مذموم کوشش میں پہلے صحابہ کرام اور ایک صحابیہ کو نعوذ باللہ عادی ملزم اور پیشہ ور اور غنڈہ تک کہ دیا اور پھر اب اسی مذموم کوشش میں یہ نام نہاد محققین اپنی ماؤں یعنی ازواج مطہرات کے متعلق بھی بدتمیزی کی گفتگو کرتے ہیں۔ اس کے لیے اس آیت کو لیتے ہیں۔

یا نساء النبی من یات منکن بفاحشۃ مبینۃ یضاعف لہا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

العذاب ضعفین وکان ذلک علی اللہ یسیرا (الاحزاب : ۳۰)
یعنی اے ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر تم میں سے کوئی فحش بات کریگی تو اس کو دوگنا عذاب دیا جائے گا۔

پھر تمام احترام بالائے طاق رکھ کر فحش کا مطلب ازواج مطہرات کے سلسلے میں بھی[1] زنا کا لیا جاتا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

اس کے جواب میں سب سے پہلی بات جو ان لغت کے ماہر ہونے کے دعویداروں کو اپنی مذموم کوشش میں نظر نہیں آتی وہ یہ ہے کہ فحش کے بنیادی معنی زنا کے ہرگز نہیں ہیں جو ازواج مطہرات کے سلسلے میں اس طرف دھیان بھی کسی کا جائے۔ اگر سیاق وسباق مناسب ہو تو صرف اسی صورت میں بطور کنایہ اس کے معنی زنا کے لیے جاتے ہیں۔

اب دیکھیے کہ قرآن کی رو سے ازواج مطہرات کے متعلق ایسی بات کا ذکر کرنا بھی گناہ عظیم ہے۔ جب منافق اعظم عبداللہ بن ابی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہ بہتان باندھا تو جو آیات اتریں وہ ہماری بات پہ دال ہیں۔ عبداللہ بن ابی جس نے بہتان باندھا اور دوسرے بعض مسلمانوں کو بھی ورغلانے کی کوشش کی اس کے متعلق تو خاص قرآن نے عظیم عذاب کا اعلان کر دیا۔ یعنی کہ: وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ مِنْھُمْ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔

پھر ارشاد ہے:

لولا اذ سمعتموہ ظن المؤمنون والمؤمنٰت بانفسھم خیرا وقالوا ھذآ افکٌ مُّبین۔

یعنی جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے نیک گمان کیوں نہ کیا اور کیوں نہ فوراً یہ کہدیا کہ یہ صریح جھوٹ ہے۔

ایسا پہلی بار ہوا تھا۔ اس لیے تنبیہ ہوتی ہے: سنئے قرآن کیا کہتا ہے:

---

[1] انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ازواج میں زیادہ سے زیادہ جو کوتاہی ممکن ہے تیز زبانی یا ایسی سچی بات دوسرے کے سامنے بیان کر دینا ہے جو کہ فی تقاضائے وقت نہ ہو اس سے زیادہ کمزوری ہرگز نہیں۔

(شاہین لاہور)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فی ما افضتم فیہ عذاب عظیم۔

یعنی اگر یہ پہلی غلطی نہ ہوتی اور اللہ کا فضل و رحمۃ اس دنیا میں تم پر (تم میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی موجودگی کی وجہ سے) ہوتی تو تم پر اس گفتگو کی وجہ سے سخت عذاب نازل ہوتا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تم اس کو عام بات سمجھ رہے مگر وہ تو اللہ کے نزدیک بڑی بھاری موجب گناہ عظیم بات ہے

پھر ارشاد ہوتا ہے:

ولولا اذ سمعتموہ قلتم ما یکون لنا ان نتکلم بھذا سبحانك ھذا بھتان عظیم۔

یعنی جب تم نے اس بات کو اوّل مرتبہ سنا تھا تو یوں کیوں نہ کہا کہ ہم کو زیبا نہیں کہ ہم ایسی بات منہ سے بھی نکالیں۔ معاذ اللہ یہ تو بڑا بہتان ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ:

یعظکم اللہ ان تعودوا لمثلہ ابدا ان کنتم مؤمنین۔

یعنی اللہ تعالیٰ تم کو یہ نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم ایمان والے ہو تو پھر کبھی ایسی بات کا خیال مت لانا۔

اب غور کیجئے کہ جب اللہ تعالیٰ خود مسلمانوں کو منع کر رہا ہے کہ پھر کبھی ایسی بات کا خیال مت لانا اور مزید جو کہا وہ آپ نے سن لیا تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ خود قرآن میں ازواج مطہرات سے متعلق ایسی بات کیسے ذکر کر سکتا تھا جس قرآن کو کہ مسلمان دن رات تلاوت کرتے ہیں۔ خود قرآن ہی کی رو سے ازواج مطہرات کے متعلق ایسی بات ذکر کر کے ایک فقہی سوال اٹھانا اور بحث کرنا بالکل غلط ہے۔

اب لغوی تحقیق میں ہم لسان العرب کو لیتے ہیں:

فحش: الفحش معروف ابن سیدہ: الفحش والفحشاء والفاحشۃ القبیح من القول والفعل۔

یعنی فحش بری گفتگو اور برا فعل ہے۔ اب دیکھئے شروع میں جو معنی درج کئے ہیں وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گفتگو سے متعلق ہے یعنی بری گفتگو یا بُری بات منہ سے نکالنی۔ فعل کا ذکر ہی بعد میں کیا ہے۔ ازواج مطہرات کے متعلق معنی دراصل ایک حدیث سے ہی متعین ہو رہے جس کو صاحب لسان نے بھی نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں :

ومنه الحديث : قال لعائشة لا تقولى ذلك فان الله لا يحب الفحش ولا تفاحش، اراد بالفحش التعدى فى القول والجواب لا التفاحش الذى هو من قذى الكلام و رديئه۔

طاہر پٹنی اسی حدیث کو بیان کرنے کے بعد تقریباً یہی بات کہتے ہیں :

اراد بالفحش التعدى فى القول والجواب لا الفحش الذى هو من ردى الكلام۔ (مجمع بحار الانوار)

یعنی حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ اے عائشہ ایسی بات منہ سے مت نکال کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادتی کو پسند نہیں کرتا نہ آپس میں ایک دوسرے سے سخت کلامی کو۔ (یہ حضورؐ نے اس وقت فرمایا جب حضرت عائشہؓ نے یہودیوں کو ان کے کلام سے بڑھ کر سخت جواب دیا۔ یہاں فحش سے تعدی اور زیادتی مراد ہے نہ کہ گالی گلوچ یا گھٹیا زبان کیونکہ حضرت عائشہ نے گھٹیا زبان استعمال نہیں کی تھی۔)

ایک دوسری حدیث بھی لسان میں درج ہے وہ یہ ہے :

وقد سئل عن دم البراغيث فقال : ان لم يكن فاحشا فلا بأس

یعنی مچھر کے خون سے متعلق سوال ہوا کہ اگر کپڑوں میں مچھر کا خون لگ جائے تو نماز ہو جائیگی۔ اس کے جواب میں کہا گیا کہ اگر زیادہ نہ ہو تو ہرج نہیں۔

فحش کا لفظ غلط گفتگو کے معنی میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے لسان العرب میں ہے کہ :

وافحش الرجل اذا قال قولا فاحشا۔

اب دیکھیئے صرف فعل استعمال ہو رہا ہے تو اس کا مطلب بری بات کہنا ہے لیکن شاید یہ محققین اور لغت کے ماہرین لسان العرب کو ناقص سمجھتے ہوئے فحش الرجل کا ترجمہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ کریں کہ مرد نے زنا کیا۔ کیونکہ ان کے دماغ میں اور کوئی معنی نہیں ہیں۔
مزید لسان العرب میں ہے:

واما قول الله عز وجل: الشیطان یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء قال المفسرون: معناه یامرکم بان لاتتصدقوا، وقیل: الفحشاء ههنا البخل والعرب تسمی البخیل فاحشًا۔

یعنی اللہ تعالیٰ عزوجل کا یہ قول کہ شیطان تم کو فقر سے ڈرا کر بخل کرنے کا حکم دیتا ہے اس کی تفسیر میں مفسرین کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ شیطان تم کو صدقہ خیرات سے روکتا ہے۔ یہاں الفحشاء کا معنی 'بخل' کے ہیں۔ عرب لوگ بخیل کو 'فاحش' کہتے ہیں۔ ثبوت کے لیے صاحب لسان نے شعر بھی دیا ہے اور اس کی تشریح بھی کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ لغوی لحاظ سے اس آیت میں بخل کا معنی ہی زیادہ صحیح ہے۔ سنیئے:

وقال طرفة:

اری الموت یعتام الکرام ویصطفی
عقیله مال الفاحش المتشدد

یعنی جاوز الحد فی البخل۔ وقال ابن بری: الفاحش السیئ الخلق المتشدد البخیل۔ یعتام: یختار۔ یصطفی ای یاخذ صفوته وهی خیاره۔ وعقیلة المال: اکرمه وانفسه، وتفحش علیهم بلسانه۔

لغت کی جدید کتاب الرائد میں یوں ہے:

الفحش: القبیح من القول أو الفعل۔

لغت کی ایک اور مشہور کتاب المصباح المنیر کو دیکھتے ہیں تو اس میں یوں ہے۔

فاحش: کل شیء جاوز الحد فهو فاحش۔

یعنی کسی بھی بات میں حد سے تجاوز کرنے والا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر لکھتے ہیں :

افحش الرجل : أتى بالفحش وهو القول السئ

یعنی آدمی نے فحش کیا کا مطلب ہے برا قول کہا۔

اب دیکھیئے جو اس لفظ کا استعمال عام عورتوں کے سلسلے میں ہوا ہے وہ سورہ نساء اور سورہ طلاق میں ہوا ہے۔

یا ایها الذین امنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرها ولا تعضلوهن لتذهبوا ببعض ما اتیتموهن الا ان یاتین بفاحشة مبینة وعاشروهن بالمعروف الخ (النساء : ۱۹)

اے ایمان والو تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے جبراً مالک بن جاؤ اور ان عورتوں کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس میں کا کوئی حصہ وصول کر لو۔ مگر یہ کہ وہ عورتیں کوئی سخت زبان درازی کریں اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی سے گذارہ کرو۔

سورہ طلاق میں عام عورتوں کے سلسلے میں بھی اس قول الٰہی کہ : الا ان یاتین بفاحشة مبینة کے مفسرین نے دونوں معنی کئے ہیں۔

لسان العرب میں ہے کہ :

وقال الله تعالیٰ : الا ان یاتین بفاحشة مبینة، قیل : الفاحشة المبینة ان تزنی فتخرج للحد وقیل الفاحشة خروجها من بیتها بغیر اذن زوجها، وقال الشافعی : ان تبذو علی احمائها بذرابة لسانها فتوذیهم وتلوك ذلك۔

یعنی وہ زبان درازی سے سسرال والو کو ایذا پہنچائیں۔

سورہ طلاق میں یہ الفاظ یوں آئے ہیں۔

.... واتقوا ربکم لا تخرجوهن من بیوتهن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشة مبینة۔ (الطلاق : ۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیئے اب ہم لسان العرب سے یہ بات معلوم کرنے کے بعد کہ ترجیح امام شافعی کے قول کو ہے ہم امام شافعی کی کتب کی طرف رجوع کرتے ہیں کیونکہ امام شافعی خاص عرب ہیں اور بدو لوگوں میں بھی رہ چکے تھے اور ان کی عربی دانی میں کمال کا سب نے اعتراف کیا ہے عجمیوں کی ان کے سامنے کوئی حقیقت نہیں ہے۔

قال الشافعی: والفاحشة! ان تبذو[1] علی اهل زوجها فیأتی من ذلك ما یخاف بینها وبینهم۔ (احکام القرآن مؤلفہ شافعی ص ۲۵۵)

یعنی فاحشہ کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں اپنے سسرال والوں سے ایسی زبان درازی کریں جس سے ان کے آپس میں جھگڑا پیدا ہوا اور جدائی کا خطرہ پیدا ہو جائے۔

پھر فرماتے ہیں:

فاذا فعلت: حلّ لهم اخراجها وكان عليهم ان ينزلوها منزلا غيره۔ (محولہ بالا)

یعنی عورتیں اگر ایسا کریں تو خاوندوں کو چاہیے کہ وہ ان کو وہاں سے نکال کر دوسرے مکان میں رکھیں۔

عبداللہ بن عباسؓ کا قول فیصل

بیہقی نے امام شافعی کے طریق پر ابن عباسؓ کا قول اس سلسلے میں نقل کیا ہے۔

... عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ (الا ان یأتین بفاحشة مبینة) قال ان تبذو علی اهلها فاذا بذت علیهم فقد حل لهم اخراجها۔ (السنن الکبری ج ۷، ص ۴۳۱)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نزدیک بھی فاحشہ مبینہ کے معنی زبان درازی کے ہیں۔

---

[1] بذا علی قوم: سفه والفحش فی منطقه وان کان کلامه صدقا (المصباح للمنیر)
یعنی بد کلامی اور بد تمیزی سے بات کرنا چاہے سچی بات ہی کیوں نہ کہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پس ہم کہتے ہیں کہ جب گھر سے نکالنے کی بات ہو رہی ہو اور عام عورتوں کا ذکر ہو اس صورت میں حضرت ابن عباس رضؓ "فاحشہ مبینہ" کا مطلب زبان درازی کر رہے ہیں تو بھلا ازواج مطہرات کے ذکر میں فاحشہ کا مطلب زنا کا کیسے لیا جا سکتا ہے جس کے ذکر سے ازواج مطہرات کے سلسلے میں قرآن نے مسلمانوں کو روک دیا ہو اور اسے عظیم گناہ قرار دیا ہو۔ قرآن اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول فیصل کے بعد اب کسی مسلمان کو انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی ۔

اب اگر آپ اس آیت سے ماقبل کی آیت ملا کر پڑھیں گے اور اس کے تاریخی پس منظر کو دیکھیں گے تو قطع نظر امہات المؤمنین کے تقدس کے فاحشہ مبینہ کا اس جگہ زنا کا معنی لینے کا کوئی تک ہی نہیں یہ تاریخی واقعہ ہے اور سیرت میں بھی اس آیت کا پس منظر بیان ہوا ہے ۔ اب کوئی جاہل ہو یا اپنے مذموم مقصد کے لیے جان بوجھ کر جاہل بن جائے تو ہم کیا کہیں ۔

یایھا النبی قل لازواجك ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا و زینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحًا جمیلا ۔ وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاٰخرۃ فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجرًا عظیمًا ۔ یانساء النبی من یات منکن بفاحشۃ مبینۃ یضاعف لھا العذاب ضعفین وکان ذلك علی اللہ یسیرا (الاحزاب : ۳۰)

اس کا پس منظر اور شانِ نزول حضرت جابرؓ کی حدیث سے واضح ہو جاتا ہے جو مسند احمدؒ سے ہے سنیئے :

.... عن جابر قال اقبل ابوبکر یستاذن علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والناس ببابہ جلوس فلم یوذن لہ ثم أقبل عمر فاستاذن فلم یؤذن لہ ثم اذن لابی بکر وعمر فدخلا والنبی صلی اللہ علیہ وسلم جالس وحولہ نساؤہ وھو ساکت فقال عمر رضی اللہ عنہ لاکلمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعلہ یضحك فقال عمر یا رسول اللہ لو رأیت بنت زید امرأۃ عمر فسألنی النفقۃ انفا فوجأت عنقھا فضحك النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی بدا نواجذہ قال ھن حولی کما تری یسالنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

النفقة فقام ابوبكر رضی اللہ عنہ الی عائشۃ لیضربھا وقام عمر الی حفصۃ کلاھما یقولان تسألان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالیس عندہ فنہاھما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلن نساؤہ واللہ لانسأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ھذا المجلس مالیس عندہ قال وأنزل اللہ عزوجل الخیار فبدأ بعائشۃ فقال انی ارید أن اذکرلک أمرا ما احب ان تعجلی فیہ تستأمری ابویک قالت ما ھو قال فتلا علیھا یا ایھا النبی قل لازواجک الآیۃ قالت عائشۃ: أفیک استامر ابوی بل اختار اللہ تعالیٰ ورسولہ الخ

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۸)

یعنی مذکورہ بالا روایت سے ثابت ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی ازواج مطہرات آپ کے گرد بیٹھی ہوئی نان و نفقہ میں کشادگی کا سوال کر رہی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ مشکل سے اجازت لے کر داخل ہوئے تو صورت جان لینے کے بعد دونوں اصحاب نے اپنی بیٹیوں کو ڈانٹا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کرتی ہو اور وہ چیز مانگتی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے۔ اس کے بعد آپکی ازواج مطہرات نے کہا کہ ہم آج کے بعد حضورؐ سے جو ان کے پاس نہ ہو ان سے نہ سوال کریں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے خیار کی آیات نازل فرمائیں اور حضورؐ نے ابتداء حضرت عائشہ سے کی۔ اور کہا کہ میں تم کو بات بتانا چاہتا ہوں اور تم جلدی نہ کرو بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کرلو۔ حضرت عائشہ نے پوچھا کہ کیا بات ہے۔ اس پر آپ نے آیات تلاوت فرمائیں۔ حضرت عائشہ بولیں کہ کیا میں آپ کے معاملہ میں مشورہ کروں۔ بلکہ میں نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا۔ اصطلاح میں تخییر کے معنی یہ ہیں کہ شوہر کے ساتھ رہنے یا نہ رہنے کا اختیار دیا جاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اے نبیؐ اپنی بیویوں سے کہو اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طریقے سے رخصت کر دوں ۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کی طالب ہو تو جان لو کہ تم میں سے جو نیکو کار ہے اللہ نے ان کے لیے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے ۔ تم میں سے جو کوئی غلطی کریگی تو اسے دوہرا عذاب دیا جائے گا۔ اللہ کے لیے یہ بہت آسان کام ہے اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیک عمل کرے گی اس کو ہم دوہرا اجر دیں گے ۔

آگے جاکر ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے کہا جاتا ہے کہ نبیؐ کی بیوی تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اس کے متعلق سیوطی لکھتے ہیں :

قوله تعالیٰ (یا نساء النبی لستن کأحد الخ) قال السبکی ظاهر الآیة ان ازواجه صلی اللّٰه علیه وسلم افضل النّساء مطلقا حتی علی مریم وظاهرها ایضًا تفضیلهن علی بناته الا أن یقال بدخولهن اللفظ لانهن من نساء النبی ۔

(الاکلیل فی استنباط التنزیل مؤلفه سیوطی ص ۱۷۷ - ۱۷۸)

یعنی سبکی نے کہا ہے کہ آیت کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ ازواج مطہرات دنیا کی تمام عورتوں سے افضل ہیں حتیٰ کہ حضرت مریمؑ سے بھی افضل ہیں۔[1] اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی بیٹیوں سے بھی افضل ہیں الا یہ کہ بیٹیوں کو بھی ان ہی کے ساتھ شامل سمجھا جائے ۔ (پس یہاں زنا اور اس کی سزا کا کوئی سوال ہی نہیں) ۔

---

[1] ہم حیران ہیں کہ قرآن کی رو سے جب حضرت مریمؑ اور ازواج مطہرات کی نسبت زنا تو کیا بے حیائی کا حاشیہ خیال میں آنا ہی گناہ عظیم ہے تو ان قرآن پر سب زیادہ عمل کرنے کے دعویداروں کو یہ بات کیسے سوجھی کہ اللہ تعالیٰ ایک بات کو گناہ عظیم کہ کر پھر اس کو روزانہ تلاوت کے لیے قرآن میں ثبت کر دے گا ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور دختران رضی اللہ عنہن کا تو یہ حال تھا کہ حضرت فاطمہؓ نے اپنے جنازہ کے لیے خاص طور سے ٹہنیوں کا ایک فریم بنوایا جو آپکی میت مقدسہ پر رکھا گیا اور اس کے اوپر سے چادر ڈالی گئی ۔ مردہ جسم کے پردہ کا بھی آپکو اسقدر زیادہ اہتمام تھا۔ ایسی خواتین کو یہ کہنا کہ اگر تم زنا کرو گی تو دوگنی سزا ملے گی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُوپر درج کردہ لغت ۔ احادیث شانِ نزول اور تمام حوالوں سے یہی ثابت ہے کہ فاحشۃ مبینۃ سے مراد گفتگو میں زیادتی اور ایسی بات ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنگ اور پریشان ہوں ۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی اپنے ترجمہ کے حاشیہ میں یہی لکھا ہے ۔ ہم آج کوئی نئی بات نہیں کر رہے ہیں ۔

دورِ جدید کے مشہور مفسر المراغی کی تفسیر

المراغی ان آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

بعد أن نصر الله نبيه صلى الله عليه وسلم فرد عنه الاحزاب وفتح عليه قريظة والنضير ، ظن ازواجه رضى الله عنهن أنه اختص بنفائس اليهود وذخائرهم فقعدن حوله وقلن يا رسول الله : بنات كسرى وقيصر فى الحلى والحلل والاماء والخول ـ الخدم والحشم ونحن ماتراه من الفاقة والضيق وآلمن قلبه الشريف بمطالبهن من توسعة الحال ومعاملتهن معاملة نساء الملوك وأبناء الدنيا من التمتع بزخرفها من المأكل والمشرب ونحو ذلك فامره الله تعالى أن يتلو عليهن ما نزل فى شأنهن .....

(تفسير المراغى ج ۷ ص ۱۵۱)

یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فتح دی ۔ احزاب سے نجات مل گئی ۔ قریظہ اور بنی نضیر پر فتح حاصل ہوگئی تو ازواجِ مطہرات کو یہود کے نفائس کا خیال آیا اور ازواجِ مطہرات حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے گرد جمع ہوگئیں اور کہنے لگیں کہ کسریٰ اور قیصر کی گھر والیاں زیور میں لدی خدام وغیرہ کی خدمت حاصل کر کے عیش کی زندگی بسر کرتی ہیں اور ہم فقر و فاقہ کی زندگی گذار رہے ہیں ۔ اس طرح انہوں نے نفقہ میں توسع کی درخواست کی اور خواہش ظاہر کی کہ ان کو بھی وہ سامان استراحت میسر ہوں جو بادشاہوں کی بیگمات کو ہوتے ہیں ۔ اس سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے قلب کو تکلیف پہنچی ۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے بعد مراغی نے وہی جابر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی جو ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں۔ شروع میں حوالہ مسند احمد کا ہے مگر آخیر میں لکھا ہے کہ اس کو مسلم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

پھر آخیر میں آیت کے خاص ٹکڑے کی یوں تشریح کرتے ہیں:

یا نساء النبی من یات منکن بفاحشة مبینة یضاعف لها العذاب ضعفین الخ) أی من یعص منکن الرسول صلی اللہ علیه وسلم ویطلب ما یشق علیه ویضیق به ذرعًا ویغتم لأجله. یضاعف لها العذاب یوم القیامة ضعفین. أی نعذب ضعفی عذاب غیرها الخ. (محوله بالا ص ۱۵۱)

یعنی (اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیویوں تم میں سے جس سے بھی ظاہرہ فاحش بات ظہور پذیر ہوگی تو اس کو عذاب دوگنا یا سہ گنا دیا جائے گا) یعنی جو تم میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کرے گی اور آپ سے وہ طلب کرے گی جو آپ کو برا لگے۔ اور آپ کو جس سے دقت ہو۔ اور جس سے حضور کو دکھ ہو تو قیامت کو اسے دوگنا یا زیادہ عذاب دیا جائے گا۔ یعنی دوسری عورتوں کی نسبت دوگنا یا زیادہ عذاب دیا جائے گا۔ الی آخرہ۔

اب آپ نے دیکھ لیا کہ مراغی کے سامنے رجم کی بحث نہیں ہے بلکہ انہوں نے وہی لکھا ہے جو عربی لغت اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ کہ معاملہ دراصل تھا ہی حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے ناجائز مطالبات کا۔ دوسرے عذاب کا جو ذکر ہو رہا ہے وہ قیامت سے متعلق ہے نہ کہ دنیا سے یہاں دنیاوی سزا کا تو ذکر ہی نہیں ہو رہا ہے۔ کہ رجم کی سزا کے دوگنے کا مسئلہ پیدا ہو یا کوڑوں کو دوگنا کرنے کا سوال ہو۔

دراصل ان محققین کے دل و دماغ پر دنیا بری طرح چھائی ہوئی ہے اس کے برعکس صحابہ کرام دنیاوی سزا اور تکلیف کی اتنی فکر ہی نہ کرتے تھے۔ اس لیے تو وہ خود کو بن بلائے بھی پیش کر دیتے تھے۔ تاکہ عذاب آخرت سے رہائی مل جائے۔

قرآن کو آپ پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ حقیقت میں جس بات پر قرآن اصل زور دیتا ہے وہ اخروی

© rasailojaraid.com